

شاہ ولی اللہ کا نظریہ تقلید

محمد صغیر حسن معصومی

تقلید کا عام مفہوم کسی کی رائے پر چلنا اور عمل کرنا ہے۔ عام طور پر اپنے عادات و اطوار کردار و اخلاق میں بچے اپنے والدین، اپنے گھر والوں، اپنے آس پاس کے رہنے والوں کے عادات و اطوار کو اپناتے ہیں۔ ظاہری چال چلن میں نیکوں کی صحبت یا بدوں کی ہمنشینی انسان پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ بالکل فطری بات ہے کہ انسان اپنے ماحول کا اثر قبول ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنی طبعی حالت پر پیدا ہوتا اور اس کے ماں باپ سے یہودی، نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

عقل و شعور کے حامل انسان سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ وہ خیر و شر میں تمیز کرے اپنے خالق مالک و رازق کو پہچانے، اس کے اوامر و نواہی کو سمجھے، اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے لازم ہے کہ احکام نبوی کی پیروی کرے، اور اس بارے میں اول اول اپنے سے زیادہ جاننے والے، اپنے استاد، اپنے معلم کی تقلید کرے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے اپنے آباؤ اجداد کی جو برابر قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں، پیروی کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ صحابہ کرام کی تربیت اور ان کو اسلامی اور قرآنی احکام کا پابند بنانے کے لئے معلم یا قاری مقرر فرمائے۔ یہ معلم نئے مسلمانوں کو دین کے ارکان کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن حکیم سکھاتے اور یاد کراتے تھے۔ پھر نماز روزہ اور اسلامی طرز زندگی کی نگہداشت کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ آپس کے معاملات، خرید و فروخت

مانے پیئے اور چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے نیز گفتگو اور ملاقات کرنے کے آداب بھی سکھاتے
 لراٹھ اپنے معلموں اور قاریوں کا احترام کرتے تھے، اور ان کی پیروی کو خدا و رسول کی
 ہتے تھے۔ یہی مفہوم ہے آیت پاک: ”اطيعوا الله واطيعوا الرسول واول الامر منكم“
 طاعت باری تعالیٰ اور اطاعت رسول کے لئے کسی ذی علم، صاحب بصیرت اور صاحب
 ید نہ صرف ضروری بلکہ واجب اور فرض ہے۔

تقلید کی مذمت کی جاتی ہے وہ درحقیقت چوپالوں کی سی تقلید ہے کہ ایک بھیڑ ایک
 قی ہے تو گھے کی ساری بھیڑیں اس کے پیچھے ہولیتی ہیں، اس بات کی پروا نہیں کرتیں
 ین خطرے سے امن بھی ہے یا نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم و بصیرت سے نوازا
 م و شعور عطا کیا ہے، اس لئے اسے ایسے شخص کی تقلید کرنی چاہیئے جس سے دین و دنیا
 ہان کی سعادت حاصل ہو، ایسے لوگوں کی تقلید نہ کرے جو غیر شرعی باتوں کی طرف
 غیر اسلامی امور کی تقلید نہ کرے، دھوکے سے کسی غلط آدمی کو اپنا مقتدا نہ بنالے
 انبیاء کی اطاعت و تقلید فرض ہے اور کفار و منافقین کی تقلید حرام اور ایسے لوگوں
 رجن کو شریعت کے ظاہری احکام کی بجائے آوری سے سروکار نہ ہونا جائز ہے۔

ہد صحابہؓ سے اسلام ہر طرح کے لوگوں میں سرعت کے ساتھ پھیلتا گیا۔ اہل عجم نہ عربی
 ہتے تھے، نہ قرآن پاک پڑھ سکتے تھے۔ الفاظ و آیات کے تلفظ میں طرح طرح کی غلطیاں
 نہ۔ صحابہ کرام جہاں بھی رہے ان کی تصحیح کرتے رہے، قرآن پاک کی تعلیمات کی تشریح
 ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، افعال و اقوال کو بیان کرتے رہے، بعد میں
 کے طریقوں میں بڑی وسعت رونما ہوئی، اور تنوع پیدا ہوا، مختلف قسم کے لوگوں
 رح کے نئے معاملات پیش آئے۔ صحابہ کرام قرآن و سنت اور اپنی اسلامی بصیرت سے ان
 کا فرض انجام دیتے رہے۔

ابہ کرام کے بعد تابعین جو صحابہ کے شاگرد تھے، اپنی سمجھ کے مطابق اور اپنے علم و دانش
 میں لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے اور یہی فریضہ آنے والی نسلیں ادا کرتی رہیں مگر افراد
 وار میں مختلف قوتوں کے حامل تھے، تیز و ہشیار دور اندیش اور فکر بلند رکھنے والے،

ہر طرح کے لوگ تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ دوسروں سے بعض حیثیت سے فائق تھے اور خود صحابہ کرام کو دوسرے اہلہ صحابہ کی علمی فضیلت، فہم و فراست کا اعتراف تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ قرآن فہمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام کے سمجھنے میں یدِ طولی رکھتے تھے، اور عہدِ صحابہ میں اکثر ان سے علمی مشورے لئے جاتے تھے، اور ان کے فیصلوں کو سارے صحابہ تسلیم کرتے تھے۔ سلف صالحین، ائمہ مجتہدین، فقہاء اور علمائے دین کا ابتداء عہد سے یہی طریقہ رہا ہے۔ اس قسم کی تقلید و اطاعت کو جس کا مقصد قرآن حکیم اور سنت رسولؐ کے مطابق عمل کرنا ہے، ہرگز ہرگز مذموم و قبیح نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ تو ایمان کا تقاضا ہے۔

تعلیم و تربیت کی غرض و غایت یہی سمجھی جاتی ہے کہ اچھے لوگوں کی، اچھے امور میں تقلید کی جائے۔ ٹیلیوژن، ریڈیو، اخبارات و رسائل جیسے ذرائع نشر و اشاعت کی ترویج نے دیکھتے دیکھتے سارے عالم کو مغربی ثقافت اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن کا گرویدہ بنا دیا، اور آج تقلید کی بُرائی صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ قدیم خیال اور اسلامی تہذیب کے حامل اگلے لوگوں کی طرح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ نئی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ چاہتے ہیں کہ قدامت پرستی کی تقلید مذموم ٹھہرائی جائے اور جدت اختیار کی جائے۔ لوگ نئی زندگی، نئے طریقے، بے حیائی، بے شرمی اور بے راہ روی اختیار کریں۔ تاکہ غیر مسلم اقوام کے آگے مسلمان بھی ترقی پسند، ترقی یافتہ اور علم و دانش میں فائق سمجھے جائیں۔ آج لوگوں میں یہ احساس تک باقی نہیں رہا کہ ایسی باتوں کو اختیار کرنا خود نہایت مذموم قسم کی تقلید ہے جس کی وجہ سے بچوں سے لے کر ذمہ دار طبقے تک طرح طرح کی برائیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ لوٹ مار، قتل و غارت، عصمت فروشی، عصمت دری، بد اخلاقی، بد قماشی، چور بازاری، دست درازی بے ایمانی اور بے شرمی کے لوگ آج اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ اپنی بد اعمالیوں کو تیزی، طراری، چالاک، ترقی، روشن ضمیری، جرأت و بہادری جیسے شخصی فضائل اور خوبیوں کی جگہ سمجھنے لگے ہیں۔ ادب و ثقافت کے نام سے آج دنیا میں بے ادبی و رذالت کی تبلیغ و تشہیر ہو رہی ہے چونکہ ہمارے اسلاف کے تاریخی کارنامے، فقہاء کے فیصلے اور مسائل کے حل تعلیمات قرآن و

نبوی کی روشنی میں علوم اسلامیہ کے تحت محفوظ کر لئے گئے ہیں، جو آجکل فرنگی و مغربی
 نخیلات سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں، اس لئے انہیں ”اساطیر الاولین“، ”تقویم پارینہ“
 ، و فرقہ بندی کے محرکات، جیسے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور تعمیر و ترقی کے منافی
 تا ہے۔ یہ حال کچھ اس بیسیویں صدی ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانے میں شرفساد
 ی انھی ہتھیاروں سے اپنی مقصد براری میں کام لیتے رہے ہیں۔

اربابِ حل و عقد قوموں کی ترقی کے اصولوں سے چٹم پوشی کرتے ہوئے زوال کے اصلی
 ب کی تشخیص کرنے اور ان کا علاج کرنے کی بجائے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے موقع
 نڈہ اٹھاتے ہیں اور قوم کی مجموعی منفعت اور مفاد کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور اس
 امتِ مسلمہ کے مختلف گروہ اپنے قائدین کی غلطیوں اور غلط کاریوں کے خمیازہ میں اپنی
 ، و ترقی کھو بیٹھتے ہیں اور دوسرے گروہ برسرِ اقتدار آتے رہتے ہیں۔ جب مختلف فرقوں
 و ہوں کی بربادی ہو چکی ہو تو امت کی پستی بحیثیت مجموعی اور پسماندگی لابدی ہو جاتی
 قومی شیرازہ جب بالکل بکھر جائے، تو پھر اصلاح کے لئے صرف ایک ہی طرفۃ اسلام نے
 ہے۔ وہ یہ کہ از سر نو توحید کا غلغلہ بلند کیا جائے، ایمان درست کیا جائے اور خشیتِ الہی
 بی کو ہر امر میں راہ دی جائے اور پوری طرح ”اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ پر مسلمان
 بند ہوں اور بجائے دوسری طاقت و قوموں کی تقلید کرنے کے اپنے اسلاف، صحابہ کرامؓ اور
 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں خود غرضی، نفس
 ن اور نفسانی خواہشات کو جگہ دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی ہر کوشش کو وقف
 یا جائے۔ اور اپنے ساتھ پوری امت کے منافع کا خیال رکھا جائے۔ مگر آج انسانیت خود
 فی ترقی کی بھینٹ چڑھ چکی ہے۔ اپنی آسائش اور اپنی حفاظت و تن آسانی کے لئے لوگ
 ، کو قربان کرنے کی بجائے ساری دنیا کو قربان کر رہے ہیں۔ اور ایثار کی جگہ دوسرے کے
 وق کی پائمالی مقصد حیات بن گئی ہے۔ علمی فراوانی اور طاقت کی بہتات قوموں اور ملکوں
 نیخ کے کام آرہی ہے۔ ان امراضِ مزمنہ کا علاج اسلام نے صرف اپنی یعنی قرآن حکیم کی پیش کردہ
 مات پر عمل پیرا ہونے کو بتایا ہے۔

بارہویں تیرہویں صدیوں میں جب برصغیر ہندوپاک میں سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار تیز ہو گئی اور انگریز تاجروں کی حکمت عملی حکومت میں تبدیلی ہونے لگی، تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کی طرف گوجہ دلائی۔ ان کی پیدائش ۱۱۰۴ھ میں دہلی میں ہوئی۔ عنفوان شباب میں علوم اسلامیہ و عقلیہ کے ساتھ علمی تربیت سے فراغت حاصل کی۔ اور اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے مسند درس پر متمکن ہوئے۔ کچھ دنوں کی تدریس کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور مزید علوم حدیث و فتنان کی تعلیم حاصل کی۔ اس سفر مبارک سے آپ کے علم و تجربے میں بے حد اضافہ ہوا اور آپ کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ اہل اسلام کی اصلاح کی جائے۔ غیر اسلامی عادات و رسوم جن کے خوگر اس دیار کے مسلمان امتداد زمانہ سے ہو گئے ہیں ان کو صحیح اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ بنایا جائے۔ شاہ صاحب نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے علمی اور عملی کوششوں کو بروئے کار لانا شروع کیا۔ مرہٹوں کی قوت کے استیصال کے لئے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی گئی۔ کچھ ایرانی سرداروں کی حکمت عملی سے اثناعشری عقائد کو فروغ ہوا۔ مقامی رسوم و عادات کے ساتھ ایرانی رسوم و عقائد کی ترویج ہو چکی تھی۔ بنا بریں آپ نے قرآن حکیم کے فارسی ترجمہ کے ساتھ ضروری فوائد کی تشریح و توضیح سے اپنے اصلاحی منصوبے کا آغاز کیا۔ خلوص و رواداری سے آپ نے اپنا کام شروع کیا تھا اس لئے فرقہ وارانہ عصبیت کا زور بھی آپ کو اپنے نیک ارادوں سے باز نہ رکھ سکا۔

قرآن پاک کی زبان کو سمجھنے اور قرآنی احکام کی تفصیلات کو جاننے کے لئے آثار افعال و اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنا ضروری تھا، اس لئے آپ نے امام مالکؒ کی مؤطا کو جو عالم اسلام کی اولین تالیف ہے اور جس میں ایک بڑی حد تک آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، آپ نے سب سے پہلے امت کے آگے پیش کیا، عربی عبارت کی توضیح کے ساتھ فارسی زبان میں ترجمہ و تشریح پیش کی، تاکہ علمی ذوق کے ساتھ صحیح جذبہ ایمانی پیدا ہو، اور غیر اسلامی اثرات سے اپنے کردار کو اہل اسلام مبرا و منزہ بنائیں۔ پھر صحاح ستہ سے فقہاء کے فیصلوں اور قضایا

کو پرکھنے کا طریقہ بتایا۔ امام غزالیؒ کی طرح جنھوں نے صوفیاء کرام اور حکماء اسلام کے افکار و خیالات کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر اصلاحی اور تطہیری کارنامے انجام دیئے تھے، شاہ صاحب نے بھی احکام دین کے رموز و اسرار بیان کئے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں آپ نے علمی اصلاح کے ساتھ فلسفہ دین، معاشیات اور تعلیمات اسلامی کے نکات و برکات کی وضاحت پیش کی۔ اور البدور البازغہ میں اعتقادی و فکری اصلاح کی غرض سے انسانی طبائع، دینی و مذہبی افکار و تخیلات، انسانی عقائد اور مبدا و معاد کی تشریح بسط سے کی۔

فلسفہ ادیان اور فلسفہ دین اسلام کی تشریح کے ساتھ شاہ صاحب نے قرآن پاک اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر بڑا زور دیا ہے۔ اور یہی درحقیقت اسلام کی روح اور قرآن کا اصلی منشا ہے۔ کیونکہ صرف عقائد سے اخلاق کی درستگی نہیں ہو سکتی، اور نہ اطاعت کا ظہور ہو سکتا ہے۔ عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان اوصاف کو اختیار کیا جائے جن کی تشریح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی وساطت سے ہوتی ہے۔ لفظ فی الدین جس کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے، عمل ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قراء اور دعاة مختلف قبائل میں بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کو تعلیم دیں، اور جس طرح قبائل اپنے معلمین و قراء کی تعلیم کے مطابق احکام دین کی پیروی کرتے تھے اسی طرح صحابہ کرامؓ کے مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہونے پر ان مقامات کے لئے یہ صحابہ کرامؓ راہنما اور معلم بن گئے تھے اور لوگ ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین مختلف شہروں اور مقامات میں لوگوں کے لئے امام و مقتدا کے مقام پر فائز تھے۔ تابعین اور صحابہ کے افعال و اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور عمل کے مطابق تھے۔ اسی لئے ان کی اطاعت درحقیقت رسول کی اطاعت تھی۔ ان احادیث و آثار نبوی کو جاننے اور ان کے مطابق عمل کرنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ نے مختلف زاولوں سے مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات، اقوال و احکام، عبادات و معاملات کے طریقوں کو دیکھا تھا، نیز یہ حضرات مختلف قومی اور مختلف درجے کے علم و ہنم کے مالک تھے، اس لئے ان کے بیانات اور تشریحات میں اختلافات کا رونا

ہونا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ زور سے پڑھنے اور آہستہ پڑھنے، رکوع و سجود کے بعد ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے اور اسی طرح کے دوسرے اعمال کی مختلف روایتیں صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ بیع و شرا کے معاملات کی تفصیلات میں بھی اختلاف کے ساتھ آثار مروی ہیں۔ ان اختلافات پر شدت سے عمل پیرا ہونا، اور ان کو اصل دین سمجھنا عقل سے بعید ہے، اور ایک کہ صحیح اور دوسرے کو سختی سے غلط بتانا جہل مرکب اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بتایا ہے۔ آسان کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ، نعوذ باللہ کسی فعل کا استخفاف کیا جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اپنے طریقہ کار کو صحیح اور دوسرے مسلک والوں کے طریقہ کار کو غلط سمجھا جائے۔ عمل میں اختلاف کا رونما ہونا ضروری اور طبعی ہے۔ مثلاً ایک اچھے قاری کی قرأت دوسرے قاری یا معمولی لکھے پڑھے کی قرأت سے ضرور مختلف ہوگی۔ اختلاف کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی۔ تلفظ میں، حسن اداء میں، آیات کی قرأت کی مدت میں، غرض ہر طرح کا اختلاف پایا جانا ممکن ہے۔ انسانی افراد مختلف خصوصیتوں کے حامل ہیں۔ اور اپنے اپنے ذاتی صفات اور مدارج عقل و فہم کے مطابق عبادات و معاملات میں مختلف سلوک، عادات و اطوار، طرق ادا وغیرہ میں لازمی طور پر ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں۔ لوگوں کی عقیدت مند بھی ضروری نہیں کہ ایک ہی فرد کے ساتھ ہو۔ بنا بریں مجتہدین کرام کی کوششوں اور فقہی آراء و اجتہادی مسائل کو یہ کہہ کر ترک نہیں کیا جاسکتا کہ یہ بانیں نہ قرآن سے ثابت ہیں نہ احادیث رسولؐ سے۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تصانیف اختلاف و تشتت کی حامل ہیں، اس لئے ان میں درج فتوؤں اور فیصلوں کو کالعدم قرار دیا جائے۔ ایسا کہنے والے یہ سمجھوا جاتے ہیں کہ آج اگر ہم فقہ کے ان روایاتی کارناموں کو پس پشت ڈال دیں تو یقینی طور پر ہم قرآنی تعلیمات سے دور اور بہت دور جا پڑیں گے اور سنت نبویؐ کی روح سے بالکل بیگانہ ہو جائیں گے۔ جتنے افراد ہوں گے، اتنی ہی تعبیریں قرآنی الفاظ کی کی جائیں گی اور درجہ باز یچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب مذاہب اربعہ کی تقلید کو سارے عالم اسلام کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور ایمان و ہدایت کی سلامتی کے لئے کسی ایک مذہب کی، او

لئے حنفی مذہب کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ صحیح طور پر قرآنی احکام اور رسولؐ کی پیروی صدیوں بعد ممکن نہیں۔ جب تک کہ سلف صالحین کے طریقوں پر ہیں۔ امام شافعیؒ، امام اعظمؒ کو سر پر فاختہ پڑھنے جاتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا تو حنفی طریقے پر نماز ادا کرتے ہیں۔ نہ رفعِ یدین کرتے اور نہ 'آمین' بالجہر کہتے ہیں۔ امام اعظمؒ کی عظمت کا احترام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک سنتِ رسولؐ طرح ثابت ہے۔ اسی طرح امام اعظمؒ ابو حنیفہ امام مالک کی اقتداء کرتے ہیں تو انہی طریقے کے مطابق سنتِ نبویؐ کی پیروی کرتے ہیں۔

شاہ صاحب ائمہ اربعہ میں امام اعظمؒ کے مذہب کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ یہاں مختلف آراء خود ان کے شاگردوں سے احادیثِ نبویؐ و آیاتِ قرآنی کی بنی میں پایہ ثبوت کو پہنچی ہیں، جن کو لبقیہ تینوں مجتہدین کی کسی نہ کسی رائے سے ضرور منت ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر حنفی رہتے ہوئے چاروں ائمہ مجتہدین کے اقوال نسیا کے مطابق عمل کرنا احاطہ امکان میں داخل ہے۔ اور یہ بہترین طریقہ ہے ائمہ مجتہدین میں سب سے بڑے راہنماؤں کے مطابق اصول اسلام پر چلنے یسش کی جائے۔

عبادات نیز تفصیلی اور جزئی معاملات میں مختلف رائے رکھنے والے ائمہ و مجتہدین ایک دوسرے کو برسرِ غلط نہیں سمجھتے اور نہ خلاف کرنے والے کو طریقہ اسلام خارج سمجھتے ہیں۔ اختلافِ مذہب صرف استدلال و وجہ ترجیح کا نتیجہ ہے، ترمذی، ثریا تبرک کا نتیجہ نہیں۔ ائمہ اپنے اپنے علم و اجتہاد و واقفیت کی بنا پر مختلف آراء کا ارجحان لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں اسباب فراہم تھے کہ ان راویوں کی چھان بین کی جاسکی۔ روایتوں کے وضع کے امکانات اس زمانے میں کم تھے۔ موضوع اور ضعیف روایتوں کی شہرت و پسندیدگی کے امکانات کم تھے۔ اسناد کے سلسلے بھی معدودے چند تھے۔ متن، سند اور رواۃ کے متعلق ت تحقیق و تفتیش، چھان بین کی جاسکتی ہے۔ اس لئے غلطی کے امکانات، غلط فہمی

کے خدشے، اور غلط بیانی کے مواقع نسبتاً بہت کم تھے۔ اور آج علم کی بنیاد، تحقیق و تفتیش کے وسائل، متون و اسناد پر غور و فکر کرنے کے ذرائع، سب کچھ انہی قرون اولیٰ کی تحریروں، کتابوں اور رایوں پر موقوف ہیں۔ ذوق اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ صحیح علم کی قلت، ادب کی کمی، اور قدیم ذخائر کی کمیابی، غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کے گہرے اثرات، یہ ساری باتیں آج کے اُن اسلامی اجتہادات کو جن میں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب و آراء سے اختلاف پایا جائے، مردود و باطل قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔

آج تقلید کے منکرین خود اپنے اسلاف اور بزرگوں کی تقلید میں مقلدین اہل سنت والجماعت سے زیادہ تعصب کا اظہار کرتے ہیں، اور تقشف سے بری نہیں سمجھے جاسکتے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقلید کو اسی لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے تحلیلی احکام کی پیروی ہی میں سنت رسول^۴ اور احکام قرآن کی پیروی مضمر ہے۔ اور اس تقلید سے مقصود ہرگز و ہر آئینہ ائمہ مجتہدین کی بیجا عظمت و برتری نہیں۔ وہ انھیں قرآن و حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے استاد کا رتبہ دیتے ہیں اور اسی قدر ان کا احترام دلوں میں رکھتے ہیں، اور بزرگوں کے احترام سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

